اپنے عہد کو وفا کرو

خُرّم مُرادؔ

منشورات

00142 / 10

جملہ حقوق محفوظ

اپنے عہد کو وفا کرو   از   خرم مرادؒ

نومبر ۲۰۰۹ء_ تعداد: ۲۰۰۰_ کوڈ: 00142_ قیمت: ۱۰ روپے

ناشر: **منشورات**، منصورہ، لاہور۔ ۵۴۷۹۰_ مطبع: جے کیو پریس، بندروڈ، لاہور۔

فون: 35252211_ فیکس: 042-35252210_ ای میل: manshurat@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر حال میں رہنمائی کا سرچشمہ اللہ کی کتاب ہے اور اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس حوالے سے اگر دورِ حاضر میں اُمت مسلمہ اور اسلام کے مستقبل کے امکانات کا جائزہ لیں تو وہ بہت روشن ہیں، لیکن ہماری حالت یقیناً بڑی حوصلہ شکن اور مایوس کن محسوس ہوتی ہے۔ ہمیں تفرقہ و انتشار اور خون ریزی کا سامنا ہے۔ برسوں کی غیرمسلم طاقتوں کی غلامی کے اثرات تعلیم، ثقافت، سیاست، معیشت، غرض ہر جگہ پائے جاتے ہیں، جب کہ دُنیا میں غلبہ اُن قوموں کو حاصل ہے جو اسلام اور ملتِ اسلامیہ کو اپنا ہدف قرار دے چکی ہیں اور اُن کی کارروائیوں کے نتائج ہر جگہ دیکھے جاسکتے ہیں۔

ان حالات میں، میں نے سورۂ مائدہ کی چند آیات درس کے لیے منتخب کی ہیں۔ان میں ذکر تو بنی اسرائیل کا ہی ہے لیکن یہ ذکر ایک خاص سیاق یا پس منظر میں آیا ہے۔

سورۂ مائدہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی اس تاکید اور ہدایت کے ساتھ ہوتا ہے کہ **اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ** [المائدۃ۵:۱]، یعنی اپنے عہد پورے کرو۔ عقود عقد کی جمع ہے۔ عقد کے معنی کسی چیز کو باندھنے، اور عہد کے ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اپنے عہد و پیمان اور وعدے پورے کرو۔ یہاں پر **عقود** کا لفظ بڑے وسیع معنوں میں آیا ہے۔ یہ دراصل بندے کا اپنے رب سے بندگی کا عہد ہے جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے۔

بندے اور رب کے درمیان معاہدہ

دراصل ایمان بندے اور رب کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس کے تحت بندہ اپنے جان و مال اور ہر چیز کو اللہ کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اور اُس سے وفاداری کا عہد کرتا ہے۔ اس سے وہ عقود بھی مراد ہیں جن سے خاندان بنتا ہے۔ خاندان بھی ایک عقد سے بنتا ہے۔ اسی طرح تجارت، معیشت، سیاست وغیرہ کے لیے بھی اصول اور ضابطے متعین ہوتے ہیں۔ ان میں شریعت کے وہ سارے قوانین وضوابط بھی شامل ہیں جن کی پابندی کا عہد مسلمانوں نے اللہ سے کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ کی ان آیات سے چند آیات پیشتر اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اُس میثاق کو یاد کرو جو اللہ نے تمھارے ساتھ پختہ کیا ہے۔ وہ میثاق کیا ہے؟ وہ ہے: **اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا** [المائدۃ ۵:۷]، یعنی ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی۔ گویا انسان نے اللہ سے یہ عہدو پیمان اور معاہدہ کیا ہے کہ ہم سنیں گے اور مانیں گے اور اُس کے پیچھے چلیں گے۔ اُمت کا جو مجموعی معاہدہ اللہ تعالیٰ سے ہے، اُس کی طرف بھی اِسی سیاق میں اس سے پہلے اشارہ کیا گیا ہے، کہ لوگوں کے سامنے انصاف کے لیے گواہ بن کے کھڑے ہو جاؤ تا کہ یہ اُمت اللہ کے بندوں کے سامنے اس قسط اور عدل کی گواہ بن کر کھڑی ہو سکے جس کی تعلیم اللہ نے اپنی اِس کتاب میں دی ہے۔ گویا یہ ہر فرد کا عہد ہے اور بحیثیت مجموعی پوری اُمت مسلمہ کا عہد ہے۔ اس عہد کو فراموش کر دینے کی وجہ سے اِس دُنیا میں ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ بنی اسرائیل اور عیسائیوں کی داستان میں یہ سب کچھ آئینے کی طرح نظر آتا ہے۔ عیسائی بھی بنی اسرائیل کا ایک حصّہ ہیں اور ان کی داستان بھی قرآن نے اس سلسلۂ کلام میں بڑے مؤثر انداز میں بیان کی ہے۔

آیئے ان آیات پر غور کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَقَدۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ بَنِيۡۤ اِسۡرَآئِيۡلَ وَ بَعَثۡنَا مِنۡهُمُ اثۡنَىۡ عَشَرَ نَقِيۡبًا وَ قَالَ اللّٰهُ
اِنِّىۡ مَعَكُمۡ لَئِنۡ اَقَمۡتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيۡتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنۡتُمۡ بِرُسُلِىۡ وَعَزَّرۡتُمُوۡهُمۡ
وَ اَقۡرَضۡتُمُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ
مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ فَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ۝
فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ وَ جَعَلۡنَا قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِيَةً‌ ۚ يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ
وَ نَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ‌ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنۡهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ
فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَ اصۡفَحۡ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ۝ (المائدة ۵:۱۲۔۱۳)

اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ان میں بارہ نقیب مقرر کیے تھے۔ اور ان سے کہا تھا کہ: میں تمھارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے تو یقین رکھو کہ میں تمھاری بُرائیاں تم سے زائل کر دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، مگر اس کے بعد جس نے تم میں سے کفر کی روش اختیار کی تو درحقیقت اُس نے سواء السبیل گُم کر دی۔ پھر یہ اُن کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیے۔ اب اُن کا حال یہ ہے کہ الفاظ کا اُلٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں، جو تعلیم انھیں دی گئی تھی اُس کا بڑا حصّہ بھول چکے ہیں، اور آئے دن تمھیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں۔ [پس جب یہ اس حال کو پہنچ چکے ہیں تو جو شرارتیں بھی یہ کریں وہ ان سے عین متوقع ہیں] لہٰذا انھیں معاف کرو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو، اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے

جو احسان کی روش رکھتے ہیں۔

یہ بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔ چند آیات پہلے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں سے خطاب فرمایا ہے کہ اس میثاق کو یاد کرو جو اللہ نے تم سے پختہ لیا ہے، اسی طرح یہاں فرمایا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے ایک میثاق اور معاہدہ پختہ کیا تھا اور اِس معاہدے کی نگرانی اور تکمیل کے لیے انتظام بھی کیا تھا۔ان کے بارہ قبیلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر قبیلے میں ہم نے ایک نقیب مقرر کیا تھا۔ نقیب وہ ہوتا ہے جو نگرانی کرے، خبر گیری کرے اور کسی چیز کے نفاذ کا اہتمام کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے تحت بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے ہر ایک میں ایک فرد کو سردار اور نقیب کے طور پر مقرر فرمایا تھا کیونکہ یہ اللہ کے حکم کے تحت ہوا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ ہم نے ان کے درمیان بارہ نقیب مقرر کیے۔ یہ نقیب اِسی میثاق اور عہد کی پابندی کی نگرانی کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔

یہ میثاق کیا تھا؟ میثاق کا ایک حصّہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جس کو بالکل شروع اور بالکل آخر میں دو حصوں میں بیان کیا گیا ہے۔

شروع میں بڑے مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَکُمْ (المائدة ۵:۱۲)

اور اللہ نے ان سے کہا تھا کہ: میں تمھارے ساتھ ہوں۔

یہ اپنی جگہ پر ایک مکمل وعدہ ہے۔ اللہ کی معیت کے معنی یہ ہیں کہ زمین و آسمان اور کائنات کا مالک، جس کا حکم چلتا ہے، جس کے تحت ساری کائنات ہے، وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوگا جو اِس معاہدے کی تکمیل کریں گے۔ اُس کی نصرت، مدد اور اس کی توفیق، سب اُن کے

شاملِ حال رہیں گی۔

گویا جب بنی اسرائیل اس عہد کو پورا کریں گے تو کائنات کی ساری قوتیں اُن کی ہمرکاب ہوں گی اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی معیت سے ان کے دلوں کو سکون واطمینان نصیب ہوگا، ان کے حوصلے بلند ہوں گے اور ان کی قوت وطاقت بحال رہے گی اور وہ اللہ کی راہ میں آگے بڑھیں گے۔ اللہ ہاتھ پکڑ کر اُن کو چلائے گا۔ وہ اللہ کی نگاہوں کے سامنے ہوں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی اللہ نے یہی فرمایا تھا: اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی [طٰہٰ ۲۰:۴۶]، یعنی میں تمھارے ساتھ ہوں، دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں، اور تمھیں دیکھتا اور سنتا رہوں گا۔ اِنِّیْ مَعَکُم، اگرچہ صرف تین الفاظ ہیں، یعنی میں تمھارے ساتھ ہوں، لیکن اس میں وہ سب کچھ جمع کر دیا گیا ہے جس کی توقع اور امید یا ضرورت ان لوگوں کو ہوسکتی ہے جو اللہ سے اپنا میثاق پورا کرنے والے ہوں۔

آخرت سے متعلّق جو حصّہ ہے وہ عہد کے بیان کے آخر میں آیا ہے۔ وہ اُسی جگہ بیان کیا جائے گا۔

نماز

آگے ارشاد ہوتا ہے:

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ (المائدۃ ۵:۱۲)

اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی۔

اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاے زکوٰۃ، شریعت کی دو بنیادیں ہیں۔ یہ دو کنجیاں ہیں۔ شریعت کے سارے احکام انھی پر قائم ہیں۔

نماز بندے اور اللہ کے تعلّق کی پوری تصویر ہے جس میں بندہ اللہ کے سامنے اپنے آپ کو کھڑا کر دیتا ہے، اس کے آگے جھکتا ہے، اور اس کے آگے اپنی پیشانی زمین پر ٹیکتا ہے۔ اُس کی حمد کرتا ہے، اس کی تکبیر کہتا ہے، اور اُسی کو سب سے بڑا سمجھتا ہے۔ دل و دماغ اور پورا جسم اس میں مصروف ہوتا ہے۔ گویا یہ اللہ کی بندگی کی جامع تصویر ہے۔ نماز کا قیام اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی تکمیل کی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی اس کا مقصد بھی ہے۔ اسی لیے جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ جب ہم تم کو زمین میں غلبہ عطا کریں گے وہاں یہ حکم بھی دیا کہ تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرو گے۔

زکوٰۃ یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو جو کچھ بھی دیا ہے خاص طور پر مال، اُس کا ایک حصّہ اُس کے بندوں پر خرچ ہونا چاہیے۔ اس میں اس کی قوتیں اور صلاحیتیں بھی شامل ہیں، اور اُس کا وقت اور مال بھی۔ سب کی علامت زکوٰۃ ہے۔ گویا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے، وہ اس کی راہ میں خرچ ہونا چاہیے۔

نماز اور زکوٰۃ دونوں شریعت کی بنیاد ہیں۔ جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی دو کی تاکید فرمائی ہے اور ان ہی سے انسان کی شخصیت بنتی ہے، اور وہ اُمت وملت وجود میں آتی ہے جو اللہ کے پیغام کی علَم بردار بن کر کھڑی ہو اور اس کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرے۔

رسول پر ایمان

وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ (المائدة ۵:۱۲)

اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی۔

یہ تیسری بات فرمائی گئی ہے کہ میرے رسولوں کے اُوپر تم ایمان لاؤ، اور ان کی مدد کرو۔

یہاں ایمان لانے کے معنی ہیں کہ انبیا کو سچ ماننا، ان کی مدد کے لیے کھڑے ہوجانا، اوراُن کا ساتھ دینا۔ اس میں وہ سارے انبیا بھی شامل ہیں جو بنی اسرائیل میں آتے رہے اوراللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں جو عہد لیا تھا وہ بھی اس کے اندر شامل ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ال عمران میں رسولوں کے ساتھ اُن کا بھی ذکر کیا ہے جوقسط کا حکم دیتے ہیں، اور بنی اسرائیل کی اس روش کا بھی ذکر کیا کہ نبیوں کوقتل کرتے تھے اوراُن کو بھی قتل کیا جوانھیں قسط وانصاف پر قائم رہنے کی تاکید کرتے تھے۔ چنانچہ رسولوں کے تحت وہ لوگ بھی آئیں گے جو رسولوں کے لائے ہوئے پیغام اور ان کے سپرد کردہ فرائض کی تذکیرو یاددہانی کرتے ہوں اوراس کی طرف لوگوں کو بلاتے ہوں۔ لہٰذا یہ بھی عہد کا حصّہ تھا کہ تم اُن کی بات سنو گے، ان کی بات مانو گے، اُن کا ساتھ دو گے، ان کے ساتھ کھڑے ہوگے اور وہ کام کرو گے جس کے لیے اللہ کے رسول آتے رہے ہیں۔ ان کے اُس مشن میں اور اُس عہد کی تکمیل میں تم اُن کی پوری اعانت اور مدد کرو گے، اپنا مال بھی دو گے اور جانیں بھی قربان کرو گے، اپنا وقت بھی دو گے۔ اور صلاحیتیں بھی کھپاؤ گے۔ اس کے بعد پھر قرضِ حسنہ کا ذکر آیا ہے۔

اللہ کو قرض حسنہ

وَ اَقۡرَضۡتُمُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا (المائدة ۵:۱۲)

اورتم اللہ کو قرضِ حسنہ دو گے۔

قرضِ حسنہ زکوٰۃ سے زائد چیز ہے۔ زکوٰۃ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ زکوٰۃ ایک فریضہ ہے اور زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں۔ قرضِ حسنہ کا لفظ جہاں بھی اللہ نے قرآن میں استعمال کیا ہے، میرے ناقص علم کی حد تک یہ اُس خرچ کے لیے کیا ہے جو اللہ کے دین اور اُس کی راہ میں جہاد

کے لیے ہو۔ اس کو اللہ نے خاص اپنے کام کے لیے رکھا ہے۔ اس کے لیے وہ خود مقروض بنتا ہے، اور خود قرض خواہ بن کر کھڑا ہوتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرۃ ۲:۲۴۵)

کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے۔

قرضِ حسنہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی راہ میں اچھا مال دیا جائے، اور پھر احسان نہ جتایا جائے کہ میں نے اللہ کے دین کے لیے یہ کیا اور اتنی قربانیاں دیں۔ احسان جتانا تو بندوں کے بارے میں بھی منع ہے کجا کہ اللہ کے اُوپر بندہ احسان رکھے کہ میں نے دین کی خاطر اپنی زندگی برباد کی، اپنا کیریئر تباہ کیا، اپنا مال دیا اور وقت لگایا۔ دراصل قرضِ حسنہ وہ ہے جو صرف اللہ کی رضا کے لیے دیا جائے، اور دے کر آدمی اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہو کہ اُس نے اُسے اپنی راہ میں اپنا مال، اپنی قوتیں اور صلاحیتیں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بعد احسان جتایا جائے تو پھر یہ قرضِ حسنہ نہ ہوگا۔

یہ چیزیں اُس پورے میثاق کو بیان کرتی ہیں جو اللہ نے بنی اسرائیل سے کیا، اور یہی ہمارا بھی میثاق ہے۔ اسی لیے یہاں بیان ہو رہا ہے۔ بنی اسرائیل پر لعنت ملامت مطلوب نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ہاتھ میں، جن کے سامنے پوری آنے والی اُمت کی ۱۳۰۰ سالہ تاریخ بھی نہیں تھی وہ آئینہ تھمانا مقصود ہے جس میں وہ اپنی شکل دیکھ سکتے ہیں کہ جو لوگ اس عہد کی تکمیل نہیں کرتے یا اُس کو توڑتے ہیں اور اپنے عہد کو وفا نہیں کرتے اُن کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل کے ساتھ اس میثاق میں سمعنا و اطعنا کی پوری تفسیر آ گئی ہے۔ اس لیے کہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ میں پوری شریعت آ گئی، اور اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے جہاد کا جو مطالبہ اللہ تعالیٰ نے اُمت سے کیا ہے اُس کا ذکر بھی رسولوں پر ایمان، ان کی مدد

اوراس کے لیے اپنا جان و مال خرچ کرنے میں آ گیا ہے۔ یہ میثاق کی مکمل تصویر ہے۔ اس سے آخرت میں اس کا اجر اور دُنیا کے اندر جو کچھ ملے گا اس کو بھی آدمی ایک حد تک دیکھ سکتا ہے۔

عہد پورا کرنے پرانعام

لَّاُكَفِّرَنَّ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَ لَاُدۡخِلَنَّكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ

(االمائدۃ ۱۲:۵)

یقین رکھو کہ میں تمھاری بُرائیاں تم سے زائل کردوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جب تم اِس راہ پر چلو گے، میثاق کو پورا کرو گے، اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہوگے تو تم سے برائیاں خود بخود دُور ہوتی چلی جائیں گی۔ وَ الَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا (العنکبوت ۶۹:۲۹) کے مصداق اللہ خود تمھیں نیکی کے راستوں پر آگے بڑھائے گا، اس راستے کو آسان کرے گا اور تمھاری رہنمائی کرے گا اور تمھارے اندر جو برائیاں ہوں گی اُن کو دُور فرما دے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کو دراصل وفاداری مطلوب ہے، یعنی اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو خلوص اور لگن کے ساتھ وفا کرنا، اور اپنی بساط بھر اس کے احکامات پر عمل کرنا۔ یہ بات بھی واضح کردی گئی ہے کہ انسان اپنی استطاعت فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ (التغابن ۱۶:۶۴) ''لہٰذا جہاں تک تمھارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو'' کے مطابق ہی اعمال کے لیے جواب دہ ہے۔ اس کے باوجود بھی، انسان چونکہ آزمایش میں ڈالا گیا ہے اور دُنیا کے اندر بے شمار چیزیں ہیں جو اُسے غلط راستوں پر لے کر جانے والی ہیں، لہٰذا اس سے خطائیں سرزد ہوں گی،

گناہ اور بھول چوک بھی ہوگی۔ اسی لیے اُس نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو گناہ بھول چوک سے ہوجائیں گے وہ انسان کو ان سے بَری کردے گا اور ان کو معاف فرمادے گا، اور اُن جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جہاں سکون واطمینان ہوگا، خوف وحزن سے آدمی محفوظ ہوگا۔ کوئی ڈر اور اندیشہ نہ ہوگا کہ کیا ہونے والا ہے، یا جو ہاتھ سے نکل گیا اُس کی حسرت اور غم نہیں ہوگا۔

اللہ کے راستے پر جو چلتا ہے وہ دُنیا میں بھی جنت کا مزہ ایک حد تک چکھ لیتا ہے۔ ایمان لانے کے بعد وہ خوف وحزن سے دُور ہوجاتا ہے۔ جنت میں جو سکون واطمینان نصیب ہوگا، اور اللہ کی طرف سے جو رزق ملے گا اس رزق کا بھی ایک حصّہ اُس کو یہاں ملنا شروع ہوجاتا ہے۔ دل کی طمانیت وسکون اور دل کی بے نیازی وغنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ کے راستے پر چلنے سے اور اُس کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرنے سے آدمی کو حاصل ہوتی ہیں۔ گو کہ جنت اچانک انسان کے سامنے آکر کھڑی نہیں ہوجائے گی بلکہ جب آدمی اللہ کی راہ پر چلتا ہے تو آہستہ آہستہ وہ جنت کے مزے سے بھی آشنا ہوتا جاتا ہے۔ اسی لیے جب وہاں پر اُس کو رزق دیا جائے گا تو کہے گا کہ یہ تو اسی سے مشابہ ہے جو دُنیا میں بھی اسے ملتا رہا ہے۔ اس میں مادی رزق بھی ہے جس میں کھانے، پھل اور نعمتیں وغیرہ ہیں، اور وہ روحانی نعمتیں بھی ہیں جو جنت میں انسان کو ملیں گی۔ اسی بنا پر وہ کہے گا کہ یہ تو بالکل اس سے ملتی جلتی چیزیں ہیں جو کبھی ہم کو دُنیا میں دی گئی تھیں۔ دراصل اللہ سے وفاداری کے یہ سارے ثمرات ہیں۔

وفاداری ہی اصل قدر اور اصل چیز ہے جو اللہ کو مطلوب ہے۔ وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے۔ آدمی وفادار ہو اور وفاداری پر قائم رہے، یہی ایمان کی اصل بنیاد، خلاصہ اور حاصل ہے۔ اعمال میں کمی بیشی اور کوتاہی ہر انسان سے ہوتی ہے۔ لیکن آدمی اللہ کا

وفادار رہے اور وفاداری پر قائم رہے اور گامزن رہے، یہ مطلوب ہے۔

عہد توڑنے والوں کا انجام

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (المائدة ۵:۱۲)

مگر اس کے بعد جس نے تم میں سے کفر کی روش اختیار کی تو درحقیقت اُس نے سواء السبیل گُم کر دی۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے نقضِ عہد کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے زمانے کے مسلمان تھے۔ اللہ پر، رسولوں پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والے تھے۔ لیکن جس کسی نے اس عہد کو وفا نہیں کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ یہ کفر اُس قسم کا کفر نہیں ہے جس سے کہ کوئی آدمی قانوناً کافر ہوجاتا ہے۔ کفر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس سے آدمی قانوناً کافر ہوجاتا ہے اور اُمت مسلمہ سے خارج ہوجاتا ہے۔ ایک کفر وہ ہے جس سے آدمی قانوناً کافر ہوکر اُمت سے خارج تو نہیں ہوتا لیکن اُس کا عمل اور فعل کفر کے برابر ہوتا ہے۔ جس طرح حضور ﷺ نے نماز کے بارے میں فرمایا کہ جس نے نماز کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا اُس نے کفر کیا۔ یہ ایسا کفر نہیں ہے کہ جس پر تکفیر کا فتویٰ جاری ہو۔

بعض جگہ کفر ناشکری کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ یہ بھی ناشکری ہے کہ اللہ نے انسان کو ہدایت کی عظیم نعمت سے سرفراز کیا، اپنے کام کے لیے منتخب کیا، اور پھر انسان اُس کام کو نہ کرے اور اپنے عہد کو پورا نہ کرے۔

یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ جس نے کفر کیا اور ناشکری کی وہ سیدھی راہ سے بہت دُور جا پڑے گا اور خدا کے غضب کا مستحق ٹھیرے گا۔ بنی اسرائیل کی مثال ایسی ہی ہے۔ اُن پر ذلت اور مسکنت مسلط کی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ٹھیرے۔ ان کے جو جرائم بیان

ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اللہ سے کیے ہوئے اپنے عہد کوانھوں نے فراموش کردیا، اور جب اللہ کے نبی ان کو یاد دلانے آتے تھے کہ بحیثیت مسلمان ان کے فرائض کیا ہیں اور اُن کا مقام کیا ہے تو اُن کو وہ قتل کردیتے تھے، جب کہ اس کا ان کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے جو قرآن مجید میں بھی بیان ہوئی ہے۔

اس طرح اس عہد کے حوالے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو اس عہد کو پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوگا۔ اُس کی کائنات، اُس کی حکومت اور نعمتیں، سب اُس کے ساتھ ہوں گی۔ جو برائیاں اور بھول چوک ہو گی، اُن سے درگزر فرمائے گا، اُن سے آدمی کو پاک وصاف کردے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔ دوسری طرف جس نے اِس عہد کو پورا نہ کیا وہ سیدھی راہ گم کردے گا اور بھٹک جائے گا، اللہ کے غضب اور اُس کے عذاب کا مستحق ہوگا۔

لعنت اور دلوں کی سختی

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً (المائدۃ ۵:۱۳)

پھر یہ اُن کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کردیے۔

لعنت کے معنی ہیں کہ انھیں اپنی رحمت سے دُور کردیا اور اپنی بارگاہ سے نکال باہر کیا۔ قرآن میں ہے کہ اللہ نے شیطانوں پر لعنت کی، اور اپنی بارگاہ سے پھٹکار کر نکال دیا۔ گویا رحمت سے دُور ہوجانے اور اللہ کے دربار سے ذلیل ہوکر نکالے جانے کے لیے لعنت کا لفظ آیا ہے۔ یہ اس لعنت کا پہلا انجام ہے جس کا اللہ نے یہاں پر ذکر کیا ہے۔

اللہ سے اپنا عہد توڑنے کے جرم کے بہت سارے نتائج ہیں جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں، ان سب کو یہاں دو الفاظ کے اندر جمع کر دیا گیا ہے: وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً، اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

لعنت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیر قومیں مسلط ہو جاتی ہیں۔ بنی اسرائیل پر بھی یہ مسلط ہوتی رہیں۔ غیر قومیں ذلیل کرتی ہیں، خون بہاتی ہیں، غلام بناتی ہیں، دُنیا کے اندر بکھیر کر رکھ دیتی ہیں، اور تتر بتر کر دیتی ہیں۔ بنی اسرائیل کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باہم تفرقہ اور انتشار پیدا ہوتا ہے، خون ریزی ہوتی ہے، لوگ ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں، اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکالتے ہیں۔ اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہوا ہے۔ ان لوگوں کے حصّے میں ذلت و رسوائی بھی آتی ہے جو کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر نہیں لاتے۔ ان کو دُنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب ملتا ہے۔ لیکن یہ سب لعنت کے تحت جمع ہو گئے ہیں اور لعنت نقضِ میثاق کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس اُمت کو جسے اللہ نے اپنی ہدایت سے نوازا ہو اور ہدایت کا امین بنایا ہو، اور اس ہدایت پر خود چلنے اور دوسروں کے سامنے اس پر گواہ ہونے کا منصب بھی سپرد کر رکھا ہو، اور یہ عہد بھی لے رکھا ہو کہ وہ اللہ کی بات سنیں گے اور اُس کی اطاعت بھی کریں گے اور اس کا کام کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے، اگر وہ اپنے اس فرض، عہد اور منصب سے انحراف کریں تو پھر ان کے حصّے میں یہ لعنت آتی ہے، اور اللہ ان کے دلوں کو سخت کر دیتا ہے۔

اللہ کی لعنت اور عذاب کی بدترین صورت دلوں کی سختی ہے۔ جب تک دل میں نرمی ہو اس کی گنجایش باقی رہتی ہے کہ آدمی اللہ کی طرف رجوع کرے، توبہ کرے، کسی اچھی بات کا اثر لے اور کسی بات سے عبرت پکڑے۔ لیکن جب دل سخت ہو جائیں تو پھر حالت یہ ہو جاتی ہے

کہ آدمی روز تقریر اور وعظ سنتا ہے اور روز درس قرآن سنتا ہے مگر اُس کے عمل میں ذرّہ برابر تبدیلی نہیں آتی۔ اخبارات کے کالم اور مضامین نصیحتوں اور تجزیوں سے بھرے پڑے ہوتے ہیں لیکن دل اس سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ پتھر کی طرح سخت ہوجاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ فرمایا کہ دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوجاتے ہیں، اس لیے کہ پتھروں سے بھی پانی بہہ نکلتا ہے، چشمہ پھوٹ پڑتا ہے، مسلسل پانی پڑنے سے سوراخ ہوجاتا ہے اور خوفِ خدا سے پتھر گر بھی پڑتے ہیں۔ لیکن جب دل سخت ہوجاتے ہیں تو انسان کے دل میں نہ اللہ کا خوف رہتا ہے اور نہ اپنی اور دوسروں کی عزت کا پاس ہی۔ پھر بھائی بھائی کا خون بہاتا ہے، خون ریزی ہوتی ہے، علاقائی عصبیتیں سر اُٹھاتی ہیں، ملک برباد ہوجاتے ہیں، ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں، دونوں ہاتھوں سے ملکی وسائل اور دولت لوٹی جاتی ہے مگر کسی کے دل میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ان کو خواہ کتنا ہی وعظ و نصیحت کیا جائے اور کتنا ہی خبردار کیا جائے کہ تم کس غلط راہ پر جارہے ہو، مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

یہ نتیجہ ہے اللہ سے نقضِ میثاق کا۔ کوئی یہ چاہے کہ اس نقضِ میثاق کے مرض کو دُور کیے بغیر صرف سیاسی و معاشی تجزیوں سے اور اقدامات سے ان امراض کا علاج ہوجائے تو یہ ممکن نہیں۔ اُس اُمت کے حوالے سے یہ ممکن نہیں ہوسکتا جس کو اللہ نے اپنے میثاق کے تحت بنایا اور قائم کیا اور اپنی ہدایت اُس کے سپرد کی۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (المائدة ۵:۱۳)

اب اُن کا حال یہ ہے کہ الفاظ کا اُلٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں۔ اللہ کے عہد کو توڑنے کا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے احکام کی نافرمانی کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کے کلام کو اس کے موقع محل، مفہوم اور اللہ کی منشا سے ہٹا کر اپنے مطلب کے

مطابق ڈھالنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہود کی پوری داستان قرآنِ مجید نے بیان فرمائی ہے۔ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (المائدة ۵:۱۳)

جو تعلیم انھیں دی گئی تھی اس کا بڑا حصّہ بھول چکے ہیں۔

کس چیز کی تذکیر کی گئی تھی؟ یہ اللہ کی کتاب، اللہ کی ہدایت اور خدا سے کیا ہوا عہد ہے جسے انھوں نے بھلا دیا۔ بھلانے کا معاملہ کیا ہے؟ آج اللہ کی کتاب پڑھی جاتی ہے، اس کی تلاوت ہوتی ہے، درسِ قرآن ہوتے ہیں، ایک ہی مہینے کے اندر [ماہِ رمضان میں] لاکھوں دفعہ ختم ہوتی ہے لیکن لوگوں کو کچھ نہیں پتا کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے، یہ اُن سے کیا کہہ رہی ہے، اس کے تقاضے کیا ہیں، یہ ان کو کیا بنانا چاہتی ہے، اور کس چیز سے آگاہ اور خبردار کرتی ہے۔ یہ وہ بات ہے جس کی طرف یہاں توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ وہ چیز ہے جس کی انھیں یاد دہانی کروائی گئی مگر وہ اس کو بھول گئے۔

وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ (المائدة ۵:۱۳)

اور آئے دن تمھیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتا چلتا رہتا ہے۔

خیانت کے معنی بدعہدی اور اپنے عہد کو توڑنے کے ہیں۔ خیانت کا لفظ اسمِ نکرہ ہے۔ یہاں یہ واضح نہیں کیا گیا کس چیز کی خیانت ہے، لہٰذا نگاہ کی خیانت بھی ہوسکتی ہے اور دل کی بھی، مال کی خیانت بھی ہوسکتی ہے اور عمل کی بھی۔

یہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ یہودیوں نے جو کچھ کیا اس کا علم کچھ تمھیں ہے اور کچھ کی برابر اطلاع ملتی رہے گی۔ اس میں وہ خیانت بھی تھی جو انھوں نے اللہ کے نبی ﷺ کی دعوت

کے جواب میں اس کی مخالفت میں قریش کے ساتھ مل کر اس کے خلاف سازشیں کرنے میں کی، اور مدینہ آنے کے بعد جو معاہدہ ہوا تھا اس کو توڑ کر بھی آپ ﷺ سے خیانت کی۔ یہ سب ان کی خیانتیں ہیں جن کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔

عہد پورا کرنے والوں سے اللہ کی محبت

اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَ اصۡفَحۡ ؕ (المائدة ۵:۱۳)

ان میں سے بہت کم لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں۔ لہٰذا انھیں معاف کرو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو۔

یہ ذکر اس لیے فرما دیا کہ سب کے سب نہیں بگڑ گئے تھے بلکہ کچھ نے آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، آپ ﷺ کے پیچھے چلے اور پھر آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی یہ لیے ہیں کہ جو اِن میں خامیاں ہیں اُن کو آپ ﷺ معاف کر دیں۔ بعض لوگوں نے یہ معنی لیے ہیں کہ اس کے معنی دل سے معاف کرنے کے نہیں ہیں بلکہ نظر انداز کرنے کے ہیں۔ عفو کے ایک معنی معافی دینے کے ہیں اور ایک معنی نظر انداز کرنے کے بھی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس بات کی پروا نہ کریں، اِسے نظر انداز کر دیں کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (المائدة ۵:۱۳)

اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش رکھتے ہیں۔

گویا جو لوگ محسن ہیں، اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، اس کے لیے بڑھ چڑھ کر اور بہترین طریقے سے کوشش کرتے ہیں، دراصل وہی لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے۔

اس کے بعد عیسائیوں کا ذکر آتا ہے:

وَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (المائدة ۵:۱۴)

اسی طرح ہم نے اُن لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا جنھوں نے کہا تھا کہ ہم ''نصاریٰ'' ہیں، مگر ان کو بھی جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصّہ انھوں نے فراموش کر دیا۔

یہاں ' کہتے ہیں' کے معنی ہیں کہ اگر چہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم نصاریٰ ہیں لیکن صحیح معنوں میں وہ نصاریٰ نہیں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے تھے، شروع میں تقریباً ۶۰، ۷۰ سال تک ان کا نام نصاریٰ رہا، اس لیے کہ کونوا انصار اللّٰہ کے جواب میں وہ جمع ہوئے تھے۔ عیسائی علما کے مطابق اِسی جواب کی وجہ سے ان کا نام نصاریٰ پڑا تھا اور بعض کے نزدیک چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا تعلّق قصبہ ناصریہ سے تھا اس لیے ان کو نصاریٰ کہا گیا۔ قرآن مجید کے بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کا نام نصاریٰ اس لیے پڑا کہ بنی اسرائیل جب اپنی تباہی اور زوال کے بالکل آخری حد تک پہنچ چکے تھے اور اس کے بعد اللّٰہ تعالیٰ نے ان کو دو ہزار سال تک ذلت کے عذاب میں مبتلا رکھا، اس وقت یہ لوگ تھے جو کھڑے ہوئے اور جنھوں نے كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ کے جواب میں مسیح علیہ السلام کا ساتھ دیا۔ اس لیے ان کا نام ہی نصاریٰ پڑ گیا۔

یہاں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ موجودہ عیسائی دراصل وہ نصاریٰ نہیں ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ انھوں نے خود بھی اپنا نام بدل لیا ہے اور اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے سیدنا مسیح علیہ السلام کا ساتھ دیا اُن سے بھی یہی عہد لیا گیا تھا مگر وہ بھی اُس کو بھلا بیٹھے۔ ان کو جو کتاب دی گئی تھی اور ان سے جو کچھ عہد لیا گیا تھا، انھوں نے بھی اسے فراموش کر دیا۔

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (المائدة ۵:۱۴)

آخر کار ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور آپس کے بُغض وعناد کا بیج بو دیا۔

اس باہمی بُغض و عداوت اور باہمی خون ریزی کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دیگر اسباب بھی ہوں گے لیکن اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ اللہ سے کیے ہوئے اپنے عہد کو بھول گئے اور جو اللہ نے ذمہ داری دی تھی اس کو انھوں نے فراموش کر دیا۔ عیسائیوں کی تاریخ اِس خون ریزی سے بھری ہوئی ہے۔ جو بھی یورپ کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں میں فرقہ وارانہ کش مکش اور تفرقہ بازی میں اضافہ ہوا۔ اس کے بعد یورپ کے اندر مذہبی جنگیں اور طویل جنگیں لڑی گئیں جن میں ہزاروں لوگوں کو صرف مذہبی اختلافات اور فرقہ وارانہ اختلافات کی وجہ سے موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ پہلی جنگِ عظیم اور دوسری جنگِ عظیم کی کوئی مثال انسانی تاریخ پیش نہیں کر سکتی جس میں کروڑوں انسان مارے گئے اور زخمی ہوئے، شہر کے شہر اُجڑ گئے اور برباد ہو گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان جو عداوت و بُغض ڈال دیا تھا، اس کی تصویر ان کی تاریخ ہے۔ یہ بھی ان کے نقضِ میثاق کا انجام تھا۔

آخر میں انھیں متنبہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ خدا کی پکڑ سے نہیں بچ سکیں گے:

وَ سَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ٥ (المائدة۵:۱۴)

اور ضرور ایک وقت آئے گا جب اللہ انھیں بتائے گا کہ وہ دُنیا میں کیا بناتے رہے ہیں۔

یہ بنی اسرائیل کے میثاق اور اسے توڑنے کے انجام کا مختصر سا بیان ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کے اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و میثاق کو فراموش کر دینے اور اس کے انجام کا

تذکرہ ہے۔ قرآن مجید نے دونوں پہلوؤں کو یہاں کھول کر بیان کیا ہے۔ اسی سیاق میں مسلمانوں کو بھی یاد دلایا گیا ہے کہ **اوفوا بالعقود**، یعنی اپنے عہد کو وفا کرو۔ وہ وعدے جو اللہ سے کیے ہیں وہ بھی پورے کرو اور جو وعدے آپس میں کرتے ہو وہ بھی پورے کرو۔ اسی طرح جن وعدوں پر سیاست، خاندانی زندگی، معاشرت اور معیشت قائم ہے ان کو بھی پورا کرو، اور وہ معمولی وعدہ کہ میں کل آؤں گا اس کو بھی پورا کرو۔ قرآن مجید نے وعدوں کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے، اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے کہ مسلمان کا دین دراصل پاسِ عہد کا نام ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا: **لا دین لمن لا عهد له**، جسے پاسِ عہد نہیں، اس کا کوئی دین نہیں۔

سورۂ مائدہ دراصل اسی پاسِ عہد کی تاکید سے شروع ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل اور عیسائیوں کا یہ پورا بیان مسلمانوں کو یہی یاد دلانے کے لیے ہے کہ تم نے جو عہد کیا ہے، اللہ تعالیٰ سے تمھارا جو میثاق ہے، **اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** اور **كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ** (۵:۸) اگر تم نے اس عہد کو فراموش کیا تو خیال رہے کہ اللہ کی سنت تو بے لاگ ہے۔ کوئی اس کا محبوب یا اس کا پیارا نہیں ہے، لہٰذا جو سزا اُس نے بنی اسرائیل کو دی اور عیسائیوں کو دی، وہی سزا تمھارے حصّے میں بھی آئے گی۔

آج ہمارے مسائل کی جتنی بھی سیاسی، معاشی و مادی تعبیرات کی جاتی ہیں، ان میں بہت کم اس بات کا ذکر ہوتا ہے کہ اس اُمت کے سارے مصائب اور مسائل، اور اس پر جتنی ساری مصیبتیں پڑی ہیں، خواہ باہر کی ہوں یا اندر کی، تفرقہ بازی ہو یا انتشار، عدم استحکام ہو یا معاشی پستی، یا سیاسی انحطاط، ان سب کی اصل جڑ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس عہد اور وعدے کو پورا نہ کرنا بلکہ اس کو علانیہ اور کھلم کھلا توڑنا ہے۔ درحقیقت ان تمام مسائل کا اصل سبب یہی ہے، اور جب تک

اس کی اصلاح نہ ہوگی، خواہ کتنے ہی اقدامات اٹھائے جائیں، اصلاح اور بہتری کے لیے تجاویز کی جائیں، کسی کا وہ فائدہ نہیں ہوگا جو ہونا چاہیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❖❖❖